مختصر

سوانح

مولانا ڈاکٹر غلام محمد قدس اللہ رہ

خلیفۂ مجاز مولانا سید سلیمان ندوی قدس اللہ سرہ

از

رائے منیر احمد صاحب

(ماخوذ از حکمتِ روحانیاں)

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام محمد قدس سرّہٗ

(تعارف)

جنابِ حق تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرمائی، معرفتِ ذاتِ حق کی پیاس اُس کے باطن میں رکھی اور پھر اپنی جود وسخا اور رحمت کا اظہار انبیاءِ کرام کو مبعوث فرما کر کیا کہ انسان کو ایک کامل رہنما میسر آئے اور وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو حاصل کر سکے۔ اس لئے جنابِ حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا کُلُّ قومٍ ھاد کہ ہم نے ہر قوم، ہر ملت، ہر انسانی گروہ میں ایک ہدایت رساں مبعوث فرمایا یعنی انسان کی باطنی تڑپ اور پیاس کہ وہ خدایاب ہو جائے کے پورا کئے جاسکنے کا سامان بہم پہنچایا۔ انبیاءِ کرامؑ تشریف لاتے رہے اور ہدایت رسانی فرماتے رہے۔ جنابِ افضل الخلائق ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا اور قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت رسانی آپ ﷺ کے ظاہری و باطنی اداؤں یعنی سنتِ مطہرہ میں محدود و محصور فرما دی گئی۔ جنابِ حق تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو یہ شرف بھی بخشا کہ ہدایت رسانی کا عظیم مقصد یعنی کارِ نبوت علماءِ ربانی کے سپرد ٹھہرا۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ:

علماء امتی کاالانبیاء بنی اسرائیل ہر عہد اور ہر زمانہ ایسے امتیوں کا گواہ رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ جن کا وجود اسوۂ رسول میں زندہ تھا اور زندہ ہو گا۔ اور پھر جس انسان نے بھی ہدایت یابی کے لئے اُن ہستیوں سے تعلق رکھا وہ فلاح پا گئے۔ یہ بات سلسلہ در سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گی۔ حضرتِ اقدس جناب مولانا غلام محمد قدس سرہٗ العزیز بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں کہ جس نے مضبوطی سے تھام لیا وہ منزل یاب ہو گیا۔

حضرتِ اقدس مولانا غلام محمد رحمۃُ اللہ علیہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (9 دسمبر

1921) بروز جمعۃ المبارک حیدر آباد دکن کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے کہ جس گھرانے کے افراد دینِ محمدی کی روایات کے پاسدار اور جن کی زندگیوں کا مرکز و محور فااتبعونی کا اُصولِ محکم تھا۔ آپؒ کے والدِ گرامی جناب غلام نبی بسیط علیہ الرحمۃ نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے بزرگ محدثِ جلیل حضرت ابو الحسنات سیّد عبدُاللہ شاہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ (صاحبِ زُجاجۃ المصابیح) کے مُرید رشید تھے۔ آپؒ کے والدِ گرامی نے ہی آپؒ کا نام غلام محمد رکھا۔ آپؒ کے جدِّ امجد حضرت شمس الدین علیہ الرحمۃ سلسلۂ قادریہ کے بزرگ حضرت لعل میاں شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے اور دین کا محکم علمی و عملی ذوق رکھتے تھے اور آپؒ کے عمِ محترم حضرت غلام جیلانی محیط رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ باصفا اور خرقہ یافتہ تھے۔ حضرتِ اقدسؒ نے آنکھ ایک ایسی فضا میں کھولی کہ جو ذوقِ عرفانِ حق سے معمور و معطر تھی اور جہاں اللہ کریم اور رسولِ کریم ﷺ کا ہو جانے اور ہو کر اُنہی کا رہے جانے ہی کی روشنی تھی۔ حضرتِ اقدسؒ کی تربیت فرمانے والے بزرگان کے قلوب کی توجہ اور اِن سب سے پہلے جنابِ حق تعالیٰ کی رحمت و محبت کہ پھر زمانے نے دیکھا کہ جنابِ حق تعالیٰ نے آپؒ کو اسم بامسمّٰی بنا دیا۔

وَاللّٰهُ یختصّ برحمته من یّشاء وَاللّٰهُ ذُوالفَضلِ العَظِیم

ابتدائی دینی تعلیم آپؒ نے اپنے گھر ہی کے بزرگوں سے حاصل کی جبکہ مروجہ علومِ اسلامیہ کی تحصیل مولانا صابر حیدر آبادیؒ اور مولانا سیّد مقصود علی خیرآبادیؒ سے کی۔ دینی علوم میں گیرائی اور گہرائی جناب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تعلیم و تربیت کی مرہونِ منت ہے جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے۔ آغازِ شباب تک حضرتِ والا تبارؒ بنیادی دینی و اسلامی علوم اپنے اساتذہ کرام سے حاصل کر چکے تھے۔ حضرتِ اقدس نے ۱۹۳۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۳ء میں برصغیر کی ایک عظیم درسگاہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے معاشیات اور سیاسیات کے مضامین کے ساتھ گریجویشن کی۔ جامعۂ عثمانیہ ہی سے ۱۹۴۶ء میں ایم۔ڈی (ہومیو پیتھی) کی ڈگری حاصل کی اور اسی دوران ایل۔ایل۔بی کے سالِ اول کا امتحان پاس کیا لیکن وکالت سے عدم مناسبت کی بنا پر اسے جاری نہ رکھا۔ ایک

سال محکمہ اوقاف میں تربیت حاصل کی لیکن جب آپؒ کو مہتمم اوقاف کا عہدہ سنبھالنے کی پیشکش کی گئی تو کچھ قباحتوں کے سبب آپ نے یہ عہدہ قبول نہ فرمایا۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سے مستقل ربط و ضبط، حضرت سید عبداللہ شاہ حیدرآبادیؒ کے آستانۂ جلیلیہ پر نیازمندانہ حاضری اور نواب بہادر یار جنگؒ کے درِ دولت پر منعقد ہونے والی مجالسِ تفہیمِ اقبال میں شرکت ایک اپنا رنگ اور اثر مرتب تو کر گئیں لیکن باطن ابھی ایسے مردِ حر کے انتظار میں تھا کہ جن کی نگاہ انقلابِ باطن برپا کر دے۔ خود حضرتِ اقدس تحریر فرماتے ہیں کہ

> آغازِ شباب میں مذہب گریزی کا رجحان ترقی پذیر تھا اور بزرگانِ دین کی وقعت و عظمت بھی دل میں بس یوں ہی سی تھی۔

چنانچہ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی خدمتِ عالیہ میں جب پہلی بار حاضر ہوئے تو اُنؒ کے ایک سوال کے جواب میں اپنا مطمحِ نظر کچھ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ "ڈگری کے حصول کا مقصد کوئی اچھا عہدہ حاصل کرنا ہے"۔ اُسی مجلس میں حضور سید صاحبؒ نے اُخروی زندگی کی طرف بے رغبتی کے نتائج کی طرف اشارہ فرمایا تو آپؒ نے ایک طالب علمانہ شوخی اور بیباکی کے ساتھ یہ فرمایا کہ

> یہ سب بجا، اور کبھی کبھی دل بھی چاہتا ہے کہ اُس دنیا کی فکر کی جائے مگر جب 'بنجارہ ہل' (شہر حیدر آباد کا مغرب زدہ امراء کا محلّہ جو پہاڑی سلسلہ پر واقع ہے) کی طرف جانا ہوتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی عالی شان بنگلہ ہو، یہی کرّ وفر ہو اور ایسی ہی مہوشیں ہوں!

گویا آپؒ ابھی اپنی باطنی اور روحانی استعدادوں سے بے خبر تھے یعنی شخصیت کے وہبی اور خِلقی رجحانات کی عمل آرائی تاحال کسی چشمِ ساقی کی منتظر تھی۔ اور جب ایک صاحبِ قلب و نظر کی توجہات آپؒ کی طرف مبذول ہوئیں تو حضرتِ اقدس و اعظم علامہ سید سلیمان

ندویؒ کے ساتھ پہلی نشست کے برخاست ہونے تک آپؒ پورے کے پورے مسخر ہو چکے تھے اور دل و دماغ سے اپنے خالق و مالک کا ہو جانے اور ہو کر رہے جانے کے سوا اور سب کچھ محو ہو چکا تھا۔

سبق ایسا پڑھا دیا اُس نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا اُس نے

جنابِ الحکیم و الحاکم نے انقلابِ باطن کا جو وقت مقرر کیا اور جن کے دستِ اقدس سے فیض آپؒ کو حاصل ہونا تھا وہاں پہنچا دیے گئے۔ اب دیر ہی کیا تھی! مردِ کامل کی نظر اور آپؒ کا سالکِ صادق ہونا چنانچہ راہِ سلوک پر چل دئے اور مقاماتِ سلوک طے ہوتے گئے۔ دنیاوی جاہ و حشمت کی تمنائیں سیلِ معرفت کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئیں۔ سلوکِ نبوی کا مزاج جو گھر سے ہی آپ کے وجود کا حصہ تھا، شیخِ عالی مقام حضرت سید سلیمان ندویؒ کی معیت سے اس میں مزید رسوخ پیدا ہوا۔ تمام عمر اپنے ظاہر و باطن کو جنابِ رسولِ کریم ﷺ کی ظاہری و باطنی اداؤں کے رنگ میں رنگنے کی جدوجہد میں رہے اور انجذابِ رنگِ رسول بطرزِ صحابہ کا ہی درس آپ نے اپنے متوسلین کو دیا۔ آپؒ کے ایک خلیفۂ مُجاز جناب عبدالقیوم صبا رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخِ عالی مقامؒ کا ایک فقرہ اپنے متوسلین کو quote کرتے کہ "ہمارے پاس تو بس قرآن و حدیث ہی ہیں"۔ اپنے شیخِ عالی مقام میں فنائیت ایسی تھی کہ اُنؒ کے خلیفہ و جانشین مانے گئے اور سلوکِ نبوی میں ایسا رسوخ تھا کہ جن بھی شیوخ حضرات سے ملاقات ہوئی انہوں نے حددرجہ محبت ہی نہیں بلکہ اکرام سے نوازا۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ اشرفیہ کے اکابر مشائخ، حضرتِ اقدس جناب عبد الباری ندوی علیہ الرحمۃ اور حضرتِ اقدس جناب مولا فقیر محمد علیہ الرحمۃ، سلسلۂ عیدروسیہ (بلادِ مغرب میں اس سلسلہ سے فیض جاری ہے) کے شیخ حضرتِ اقدس سید عمر بن عبداللہ علیہ الرحمۃ (زنجبار، افریقہ) اور سلسلۂ نقشبندیہ کے شیخ حضرتِ اقدس فضل اللہ جیلانی علیہ الرحمۃ سے سندِ خلافت پائی۔ تین سلاسل (چشتیہ، نقشبندیہ، عیدروسیہ) کے فیوض کا سنگم آپؒ کی ذاتِ اقدس تھی اور آپؒ کی ذاتِ باجود سے فیض کے کئی چشمے رواں ہوئے جو کہ آج بھی جاری و

ساری ہیں۔ اللہ ربّ العزت آگے بھی جاری و ساری رکھیں! آمین۔

ہمعصر اکابرین سے ربط و ضبط

حضرتِ اقدس علیہ الرحمۃ کی اپنے وقت کی عظیم علمی و روحانی اکابرین کے ساتھ راز و نیاز کے تعلقات رہے، اور اُن شخصیات کی محبت و معیت ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہی۔ حضرتِ اقدسؒ نے اپنی سلامتِ فہم اور استحکامِ علمی اور جلائے قلبی سے اُن کے قلوب میں گھر کرلیا اور اُن برگزیدہ اولیاء کی توجہاتِ باطنی آپ کو حاصل ہوئیں جو کہ کسی بھی سالکِ سلوک کو منزل یافت بنا دیتی ہیں۔ حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ علیہ الرحمۃ کی رہنمائی میں حضرتِ اقدسؒ نے بلاقیدِ بیعت نقشبندی سلوک یعنی لطائفِ ستہ کا درس پایا اور حضور سید ابوالحسناتؒ ہی سے گلستانِ سعدی اور بوستانِ سعدی پڑھی۔ بنیاد ہی جب ایک شیخِ جلیل کے ہاتھوں رکھی گئی ہو تو مستقبل کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اور فنِ تقویٰ و احسان سے آشنائی اور اس کا ذائقہ تو بچپن میں حضرتِ اقدسؒ کے باطن نے حاصل کرلیا تھا۔ عین عنفوانِ شباب میں جب حضرتِ اقدس جامعہ عثمانیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہاں حضرت مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ سے شاگردانہ رشتہ استوار ہوا۔ حضرت گیلانیؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل اور حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے دست گرفتہ تھے لیکن تکمیلِ سلوک حضرت مولانا محمد حسین چشتی حیدر آبادی علیہ الرحمۃ کے حلقۂ توجہ میں آ کر حاصل ہوئی، اس لئے آپؒ کی ذاتِ اقدس علومِ ظاہری اور علومِ باطنی دونوں کی جامع تھی۔ حضرت گیلانیؒ کی شیخِ اکبر علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ سے جو عقیدت تھی وہ روشن اور مسلم ہے۔ اور حضرت مولانا گیلانیؒ کے مزاج اور مشرب کا پرتو اُن کے شاگرد میں بھی تو آنا تھا۔ حضرت مولانا گیلانیؒ کی ذاتِ بابرکات کا فیض حضرتِ اقدسؒ میں جاری ہوا اور شیخِ اکبر قدس سرہ العزیز کے علوم و معارف آپؒ کی زبانِ اقدس پر جاری ہوئے۔ حضرتِ اقدسؒ کے خلیفہ حضرت عبدالقیوم صبا علیہ الرحمۃ اپنی مجالس میں اپنے شیخِ عالی مقام کے علم و عرفان سے معمور فقرات اکثر دہراتے کہ

ایک کو خواہ مخواہ دو کہنے کی کیا ضرورت ہے! چشمِ احول کو ایک
کے دو دکھائی دیتے ہیں۔

اسی دوران سرزمینِ حیدرآباد دکن کی کوکھ سے جنم لینے والی عظیم شخصیت قائدِ ملت جناب نواب بہادر یار جنگ سے آپؒ کی شناسائی ہوئی اور یہ شناسائی اور تعلق وقت کے ساتھ کن جذبات و احساسات میں ڈھل گیا اِس کا اظہار حضرتِ اقدس کی تصنیف حیاتِ بہادر یار جنگ میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ گرامی قدر نواب صاحب کے دل میں امتِ مسلمہ کے زوال کا جو درد تھا اور پھر ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لئے انہوں نے جس جانفشانی اور جوانمردی سے تگ ودو کی وہ دعوت و عزیمت کا ایک نیا باب ہے۔ بھلا ایک ایسی ہستی جس کے شب و روز امتِ محمدیہ کی سرفرازی کے اضطراب میں گزرتے ہوں اُن سے دلی تعلق تو ہونا ہی تھا سو حضرتِ اقدسؒ کو بھی جناب نواب صاحب سے دلی تعلق تھا۔ حیاتِ بہادر یار جنگ اس وقت کے نامور مفسر اور ادیب جناب عبدالماجد دریابادی علیہ الرحمۃ اور حضرتِ والا میں تعلق کا باعث بنی اور بعدازاں یہ سرسری راہ و رسم ایک تعلقِ خاطر کی صورت اختیار کر گئی۔ رقعاتِ ماجدی اس تعلقِ خاطر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

زندگی کے اکتیس سال بیت چکے تھے اور اس دوران عظیم علمی و روحانی شخصیات سے بھی آپؒ کا ربط و ضبط رہا لیکن دل و نگاہ کو جہاں پہنچنا اور ٹھہرنا تھا اُن سے ملاقات ابھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرتُ الشّیخ علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ حیدرآباد دکن تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت عبدالباری ندویؒ کے گھر قیام فرماتھے۔ حضرتِ والا بھی ان کی خدمتِ اقدس میں ایک طالبِ علم کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ حضور سید صاحب سے کافی دیر گفتگو رہی جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے، بس پھر اُس ملاقات کا پہلا لمحہ غالباً وہیں تھم گیا اور حضرتِ اقدس انہیؒ کے ہو لئے۔

ترے ہی در پہ مٹ جانا لکھا تھا میری قسمت میں
ازل میں یا ابد میں، مَیں کہیں ہوتا یہیں ہوتا

شیخ اور مرید کا تعلق کہاں سے شروع ہوا اور کس معراج تک پہنچا فریقین کے سوا کسی کو بھی کیا خبر! خود مرید بھی تعلق کی پہنائی کو کہاں پا سکتا ہے البتہ جو کچھ اور جتنا کچھ زبان اور الفاظ کی گرفت میں آ سکتا تھا اسے ہم حضرتِ اقدسؒ کی تصنیفِ لطیف تذکرۂ سلیمان میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

میانِ عاشق و معشوق آں رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

اپنے شیخِ عالی مقام کا فیض اور حضرتِ اقدس کی ازلی ابدی استعداد کہ تھوڑے عرصہ میں ہی علوم و معارفِ قرآن و حدیث میں رسوخ حاصل ہو گیا لیکن فنائیت ایسی تھی کہ اپنے مرشدِ کامل کے وصال کے بعد بھی کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اصلاح کے تعلق کو اپنے لئے لازم سمجھا اور اولاً حضرت مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ سے اور ثانیاً حضرت مولانا فقیر محمد کیملپوری علیہ الرحمۃ سے تعلق استوار فرمایا۔ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمۃ کی مجالس کے مستقل حاضر باش رہے۔ یہ تینوں حضرات حضرتِ اقدس و اعظم • مولانا اشرف علی تھانوی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے اجل خلفاء تھے۔

تالیف و تصنیف

تالیف و تصنیف سے حضرتِ اقدسؒ کو خاص مناسبت تھی اسی لئے اپنے مشرب و موقف کا اظہار اپنی تصانیف ہی میں فرمایا۔ زبان کی خوبصورتی اور فقرات کا دروبست تو ایک مسلمہ حقیقت ہے ہی، آپؒ کی تصانیف میں علم و عرفان کی جو خوشبوئیں ہیں وہ سالکینِ طریق کے لئے مشامِ جاں کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت کی سب سے پہلی تصنیف حیاتِ بہادر یار جنگ ہے جس کے ابتدائی ایڈیشن نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن سے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں زیرِ عنوان قائدِ ملت شائع ہوئے تھے۔ حیاتِ بہادر یار جنگ کے عنوان سے اس کے تین ایڈیشن

بہادر یار جنگ اکیڈمی کراچی سے شائع ہوئے۔ کتاب کا پیش لفظ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے تحریر فرمایا۔ اس تصنیف میں مسلمانانِ ہند کے عظیم سیاسی و سماجی رہنما اور جناب قائدِ اعظمؒ کے معتمد ساتھی جناب نواب بہادر یار جنگ کے حالاتِ زندگی، اُن کے سماجی و اصلاحی کارناموں اور ان کے سیاسی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ کتاب کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب واقعی ملت کا درد دل میں جاگتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا مصمم ارادہ قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو پھر کس طرح ایک فہیم اور شجاع مسلمان قلوب میں انقلاب برپا کر دیتا ہے، لیکن ایمانی فہم اور ایمانی شجاعت لازم ہے۔

حضرت ممدوحؒ کی دوسری تصنیف حیاتِ اشرف (سوانح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ) ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۱ء میں کاروانِ ادب کراچی سے اور دوسرا ایڈیشن مکتبۂ تھانوی کراچی سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ حیاتِ اشرف میں حضرتِ اقدس نے حضرت مجدد تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی حیات اور اُن کی مجددانہ شان کے بارے میں تمام بنیادی معلومات کو نہایت سادہ اور پرتاثیر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی ذاتِ اقدس اور اُنؒ کے علوم و معارف کو جس اختصار سے پیش کیا گیا یہ حضرتِ والا کی خداداد تصنیفی صلاحیتوں کی روشن دلیل ہے۔ یہ کتاب مشائخین اور سالکینِ طریق کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے۔

تذکرۂ سلیمان حضرتِ اقدسؒ کی تیسری تصنیف ہے جسے آپؒ کی مرکزی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن مجلسِ علمی کراچی سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی اور دوسرا ایڈیشن مع اضافات ادارۂ نشر المعارف کراچی سے شائع ہوا۔ طرزِ تحریر عارفانہ اور محققانہ ہے۔ کتاب صرف ایک تذکرہ یا سوانح نہیں بلکہ اس میں سالکینِ طریق کے لئے گرانقدر رہنمائی بھی موجود ہے۔ کتاب کا ایک حصہ سلوکِ سلیمانی پر مشتمل ہے جس میں حضرتِ اقدس نے اپنے شیخِ عالی مقامؒ سے اپنی مکاتبت کو شائع کیا ہے جو بلاشک و شبہ نبوی سلوک کا ایک واضح اور متعین لائحہ عمل ہے۔ جس طرح حضرت سید سلیمان ندویؒ کی ذات مختلف نقطہ ہائے نظر کے دانشور حضرات اور تمام سلاسلِ تصوف کے مشائخ کے ہاں معتبر و محبوب

تھی، ان کا تذکرہ بھی سب کی نگاہ میں معتبر رہا۔ یہ کتاب نہ صرف حضرت سید صاحبؒ کی حیات کے تمام پہلوؤں کی نقشہ کشی ہے بلکہ تاریخِ مسلمانانِ ہند اور تحریکِ پاکستان کے کئی گوشوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

حضرتِ اقدس کی چوتھی تصنیف علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حیدر آباد آصفی کے نام سے بہادر یار جنگ اکیڈمی کراچی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اس تالیف کا مقصد ہیرو ورشپ (hero worship) کا جذبہ ہے نہ وطن برتری کا تقاضا بلکہ احسان شناسی ہے جو عین اسلامی ایمانی جذبہ ہے۔ اس کتاب میں آصف جاہی اقتدار اور حضرت علامہ سید صاحبؒ کے تعلق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ برصغیر میں مسلم اقتدار کے آنے، رہنے اور پھر اقتدار کے چھن جانے کی مرحلہ وار، مستند اور مفصل تاریخ مرتب کیے بغیر مستقبل کے نقشۂ عمل کی نتیجہ خیز تشکیل ممکن نہیں۔

موت الابرار حضرتِ اقدس کی پانچویں تصنیف ہے جو ادارۂ نشر المعارف کراچی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ملتِ محمدیہ کے اُن پاک طینت اور خوش بخت صالحین کے سکرات و اموات کے واقعات پیش کیے گئے ہیں جن کا حسنِ خاتمہ کھل کر دنیا کے سامنے آیا یعنی اسی دنیا میں جنابِ حق تعالیٰ نے لوگوں پر منکشف فرما دیا۔ کتاب عاشقانہ رنگ میں لکھی گئی ہے اور اس آیتِ مبارکہ اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ کا عکس لئے ہوئے ہے۔

رموزِ سورۂ یوسف حضرتِ اقدسؒ کی چھٹی تصنیف ہے جو ادارۂ نشر المعارف کراچی سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس تحریر کے ذریعے حضرتِ اقدسؒ نے اس شرعی اور عقلی اصول کی اہمیت واضح فرمائی کہ جب تک ملتِ محمدیہ کی تعمیر جہاد بالنفس کے اوّلین اہتمام کے ساتھ جہاد بالسیف کے جذبہ پر نہیں کی جائے گی اس وقت تک اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اس اصول کو نظر انداز کر کے ملت کی سربلندی کا خواب ایک خام خیالی ہے۔

حضرتِ اقدسؒ کا تحریر کردہ مختصر مگر جامع رسالہ گلدستۂ نماز بہت اہمیت کا حامل ہے

جس کا آخری ایڈیشن دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد سے شائع ہوا۔ اس رسالہ میں چاروں آئمہ کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے مروی نماز کی مسنون ہیتیں جمع کردی گئیں ہیں اور یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر ایک مسلمان (چاہے جن بھی امام کا مقلد ہو) وہ اس آئینے میں صلوٰۃِ رسول کی ہر ظاہری ہیئت بے غبار دیکھ سکتا ہے۔ گلدستۂ نماز کے مطالعے سے تمام مذاہبِ فقہہ کے ماننے والوں میں یہ شعور بیدار ہوسکتا ہے کہ ہر مسلمان اسوۂ رسول ہی کی پیروی کر رہا ہے۔ ایک لمبے عرصے سے لوگ ایک دوسرے پر فتویٰ طرازی کا جو شیوہ اختیار کیے ہوئے ہیں کاش اس مختصر رسالے کو ذرا قلب کو ہر تعصب سے پاک کر کے پڑھ لیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت سارے خود تراشیدہ مسائل سے جنابِ حق تعالیٰ ہمیں آزاد فرما دیں۔

یہاں پر حضرتِ اقدسؒ کی مدون کردہ کتاب مقالاتِ احسانی کا ذکر بے جا نہ ہو گا جو کہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے اُن نوٹس (notes) کا مجموعہ ہے جو حضرت گیلانیؒ شیخِ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی الہامی تصنیف فتوحاتِ مکّیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی مثنوی معنوی کے مطالعے کے دوران تحریر فرماتے تھے۔ کتاب کے آغاز میں تصوف پر حضرتِ اقدس ڈاکٹر غلام محمد علیہ الرحمۃ کا تحریر کردہ مضمون ہے جو کہ اپنی نوع کی ایک منفرد تحریر ہے۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں حضرتِ اقدسؒ نے اپنے استاذ المکرّم حضرت گیلانیؒ کے مشرب و منہج پر سیر حاصل گفتگو بھی فرمائی ہے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن مجلس علمی کراچی کی طرف سے شائع ہوا۔ کافی عرصے کے بعد ایک مشہور ادارے نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کر کے سالکین پر احسان فرمایا ہے، خدا انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس نئے شائع شدہ ایڈیشن میں حضرتِ اقدسؒ کے تحریر کردہ دیباچہ میں کچھ فقرات بریکٹس (brackets) میں لکھ دیے گئے ہیں جو غالباً علم یا اطلاع کا تو نہیں البتہ اعتراض کا رنگ بھرپور لئے ہوئے ہیں۔ کتاب کا شائع ہو جانا ضروری تھا، باقی اعتراضات ہوں یا استہزائیات، انہیں ثبات کہاں!
حضرت ڈاکٹر غلام محمد علیہ الرحمۃ کی زندگی شریعت و طریقت کی یکجائی کی گواہ تھی جس میں

دوئی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ وسیع المشربی کا یہ عالم تھا کہ تمام مکتبِ فکر کے مشائخ اور علماء سے آپ کے روابط تھے اور حضرتِ اقدس کی کسی تحریر یا تقریر سے یہ تاثر مل ہی نہیں سکتا کہ آپ کسی خاص فقہی مکتبِ فکر یا کسی خاص صوفی مکتبِ فکر کے مبلغ تھے بلکہ آپؒ نے خود کو دینِ محمدی کا ایک غلام سمجھا اور اسی منہج ومشرب کی ترویج فرمائی اور سلاسل اور مسالک سے بلند ہوکر زندگی بسر فرمائی۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تُرا چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

دینِ محمدی کسی صوفی سلسلہ اور فقہی مسلک میں محدود و محصور ہوکر نہیں رہ گیا بلکہ یہ تو وہ 'جادۂ حبیباں' ہے جو ہمہ وقت ہراُس سالک کے لئے کھلا ہے جو 'مجالِ آبلہ پائی' کے لئے کمر بستہ ہو۔ آپؒ کی ذاتِ مبارکہ ایک ایسا منشور تھی کہ جس سے سلوکِ نبوی کے مختلف رنگ منعکس ہوئے اور آپؒ نے اپنے گیارہ متوسلین کو خرقہ عطا فرمایا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۳ء کو آپؒ اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ